تفہیم القرآن

(۷)

آل عمران

(از رکوع ۱۰ تا ختم سورہ)

تم نیکی کا مقام نہیں پا سکتے جب تک کہ اپنی وہ چیزیں (خدا کی راہ میں) خرچ نہ کرو جنھیں تم عزیز رکھتے ہو۔[۷۵] اور جو کچھ تم خرچ کرو گے اللہ اس سے بے خبر نہ ہوگا۔

کھانے کی یہ ساری چیزیں (جو شریعت محمدی میں حلال کی گئی ہیں) بنی اسرائیل کے لیے بھی حلال[۷۶] تھیں...

---

۷۵ اوپر سے جو سلسلۂ تقریر چلا آرہا ہے اس میں خطاب کا رُخ یہودیوں کی طرف ہے۔ اس آیت میں ان کی اُس غلط فہمی کو دور کیا گیا ہے جو وہ "نیکی" کے بارے میں رکھتے تھے۔ ان کے دماغوں میں نیکی کا بلند سے بلند تصور بس یہ تھا کہ صدیوں کے توارث سے "تشرّع" کی جو ایک خاص شکل ان کے ہاں بن گئی ہے اس کا پورا چربہ آدمی اپنی زندگی میں اُتار لے اور ان کے علماء کی قانونی موشگافیوں سے جو ایک لمبا چوڑا فقہی نظام بن گیا ہے اس کے مطابق رات دن زندگی کے چھوٹے چھوٹے ضمنی و فروعی معاملات کی ناپ تول کرتا رہے۔ اس تشرّع کی ظاہری سطح کے نیچے بالعموم یہودیوں کے بڑے بڑے "دیندار" لوگ تنگ دلی، حرص، بخل، حق پوشی، اور حق فروشی کے عیوب چھپائے ہوئے تھے اور رائے عام ان کو نیک سمجھتی تھی۔ اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے انھیں بتایا جا رہا ہے کہ "نیک انسان" ہونے کا مقام اُن چیزوں سے بالاتر ہے جن کو تم نے مدارِ خیر و صلاح سمجھ رکھا ہے۔ نیکی کی اصل روح خدا کی محبت ہے، ایسی محبت کہ رضائے الٰہی کے مقابلہ میں دنیا کی کوئی چیز عزیز تر نہ ہو۔ جس چیز کی محبت بھی آدمی کے دل پر اتنی غالب آجائے کہ وہ اسے خدا کی محبت پر قربان نہ کر سکتا ہو، بس وہی بُت ہے اور جب تک اس بُت کو آدمی توڑ نہ دے، نیکی کے دروازے اس پر بند ہیں۔ اس روح سے خالی ہونے کے بعد ظاہری تشرّع کی حیثیت محض اُس چمکدار روغن کی سی ہے جو گھن کھائی ہوئی لکڑی پر پھیر دیا گیا ہو۔ انسان ایسے روغنوں سے دھوکا کھا سکتے ہیں، مگر خدا نہیں کھا سکتا۔

۷۶ قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر جب علمائے یہود کوئی اصولی اعتراض نہ کر سکے (باقی صفحہ ۴۱۱ پر)

البتہ بعض چیزیں ایسی تھیں جنھیں توراۃ کے نازل کیے جانے سے پہلے بنی اسرائیل[۵۱] نے خود اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ ان سے کہو اگر تم (اپنے اعتراض میں) سچے ہو تو لاؤ توراۃ اور پیش کرو اس کی کوئی عبارت ۔ اس کے بعد بھی جو لوگ اپنی جھوٹی گھڑی ہوئی باتیں اللہ کی طرف منسوب کرتے رہیں وہی درحقیقت ظالم ہیں۔ کہو، اللہ نے جو کچھ فرمایا ہے سچ فرمایا ہے، تم کو یکسو ہو کر ابراہیم کے طریقہ کی پیروی کرنی چاہیے، اور ابراہیم شرک کرنے والوں میں سے نہ تھا۔[۵۲]

بے شک سب سے پہلی عبادت گاہ جو انسانوں کے لیے تعمیر ہوئی وہ وہی ہے جو مکہ میں واقع ہے[۵۳]۔ اس کو خیر و برکت دی گئی اور تمام جہان والوں کے لیے مرکزِ ہدایت بنا دیا گیا۔ اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں[۵۴]، ابراہیم کا مقامِ عبادت ہے، اور اس کا حال یہ ہے کہ جو اس میں داخل ہوا مامون ہو گیا۔[۵۵] لوگوں پر

(بقیہ صفحہ سابق) (کیونکہ اساس دین جن امور پر ہے اُن میں انبیاء سابقین کی تعلیمات اور نبی عربی کی تعلیم میں یکسر موافقت تھی) تو انھوں نے فقہی اعتراضات شروع کیے۔ اس سلسلہ میں ان کا پہلا اعتراض یہ تھا کہ آپ نے کھانے پینے کی بعض ایسی چیزوں کو حلال قرار دیا ہے جو پچھلے انبیاء کے زمانہ سے حرام چلی آ رہی ہیں۔ اسی اعتراض کا یہاں جواب دیا جا رہا ہے۔

(حواشی صفحہ ہذا) ۵۱ "اسرائیل" سے مراد اگر بنی اسرائیل لیے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ نزولِ توراۃ سے قبل بعض چیزیں بنی اسرائیل نے محض رسماً حرام قرار دے رکھی تھیں۔ اور اگر اس سے مراد حضرت یعقوب لیے جائیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آنجناب نے بعض چیزوں سے طبعی کراہت کی بنا پر یا کسی مرض کی بنا پر احتراز فرمایا تھا اور ان کی اولاد نے بعد میں اُسے ممنوع سمجھ لیا۔ یہی موخر الذکر روایت زیادہ مشہور ہے۔

۵۲ مطلب یہ ہے کہ ان فقہی جزئیات میں کہاں جا پھنسے ہو۔ دین کی جڑ تو اللہ واحد کی بندگی ہے جسے تم نے چھوڑ دیا اور شرک کی آلائشوں میں مبتلا ہو گئے۔ اب بحث کرتے ہو فقہی مسائل میں، حالانکہ یہ وہ مسائل ہیں جو اصل ملتِ ابراہیمی سے ہٹ جانے کے بعد انحطاط کی طویل صدیوں میں تمھارے علماء کی موشگافیوں سے پیدا ہوئے ہیں۔

۵۳ یہودیوں کا دوسرا اعتراض یہ تھا کہ تم نے بیت المقدس کو چھوڑ کر کعبہ کو قبلہ کیوں بنایا، حالانکہ پچھلے انبیاء کا قبلہ بیت المقدس ہی تھا۔ اس کا جواب سورہ بقرہ میں دیا جا چکا ہے۔ لیکن یہودی اس کے بعد بھی اپنے اعتراض پر مُصِر رہے۔ لہٰذا یہاں پھر اس کا جواب دیا گیا ہے۔ (حاشیہ ۵۴ و ۵۵ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

اللہ کا یہ حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے، اور جو کوئی اس حکم کی پیروی سے انکار کرے تو اُسے معلوم ہو جانا چاہیے کہ اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔

کہو، اے اہلِ کتاب تم کیوں اللہ کی باتیں ماننے سے انکار کرتے ہو؟ جو حرکتیں تم کر رہے ہو اللہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ کہو، اے اہلِ کتاب یہ تمھاری کیا روش ہے کہ جو اللہ کی بات مانتا ہے اُسے بھی تم اللہ کے راستہ سے روکتے ہو اور چاہتے ہو کہ وہ ٹیڑھی راہ چلے حالانکہ تم خود (اس کے راہِ راست ہونے پر) گواہ ہو۔ تمھاری حرکتوں سے اللہ غافل نہیں ہے۔

اے ایمان لانے والو! اگر تم نے ان اہلِ کتاب میں سے ایک گروہ کی بات مانی تو یہ تمھیں ایمان سے پھر کفر کی طرف پھیر لے جائیں گے۔ تمھارے لیے کفر کی طرف جانے کا اب کیا موقع باقی ہے جب کہ تم کو اللہ کی آیات سنائی جا رہی ہیں اور تمھارے درمیان اس کا رسول موجود ہے؟ جو اللہ کا دامن مضبوطی کے ساتھ تھامے گا وہ ضرور راہِ راست پا لے گا۔ ع ۱۰

(بقیہ سابقہ) ۵ یعنی اس گھر میں ایسی صریح علامات پائی جاتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ اللہ کی جناب میں مقبول ہوا ہے اور اسے اللہ نے اپنے گھر کی حیثیت سے پسند فرما لیا ہے۔ لق و دق بیابان میں بنایا گیا اور پھر اللہ نے اس کے جوار میں رہنے والوں کی رزق رسانی کا بہتر سے بہتر انتظام کر دیا۔ دو ڈھائی ہزار برس تک جاہلیت کے سبب سے، تمام عرب انتہائی بدامنی کی حالت میں مبتلا رہا، مگر اس فساد بھری سرزمین میں کعبہ اور اطرافِ کعبہ ہی کا ایک خطہ ایسا تھا جس میں امن قائم رہا، بلکہ اسی کعبہ کی یہ برکت تھی کہ سال بھر میں چار مہینے کے لیے پورے ملک عرب کو اس کی بدولت امن میسر آ جاتا تھا۔ پھر ابھی نصف صدی پہلے ہی سب دیکھ چکے تھے کہ ابرہہ، جس نے کعبہ کی تخریب کے لیے مکہ پر حملہ کیا تھا، اس کی فوج کس طرح قہرِ الٰہی کی شکار ہوئی۔ اس واقعہ سے اُس وقت عرب کا بچہ بچہ واقف تھا اور اس کے چشم دید شاہد تک ان آیات کے نزول کے وقت موجود تھے۔

۵ جاہلیت کے تاریک دور میں بھی اس گھر کا یہ احترام تھا کہ خون کے پیاسے دشمن ایک دوسرے کو وہاں دیکھتے تھے اور ایک کو دوسرے پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

اے ایمان لانے والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔[۱] سب مل کر اللہ کی رسّی کو مضبوط پکڑ لو[۲] اور تفرقہ میں نہ پڑو۔ اللہ کے اُس احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا ہے، تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اُس نے تمہارے دل جوڑ دیئے اور اس کے فضل و کرم سے تم بھائی بھائی بن گئے، تم آگ سے بھرے ہوئے ایک گڑھے کے کنارے کھڑے تھے، اللہ نے تم کو اس سے بچا لیا۔[۳] اس طرح اللہ اپنی نشانیاں تمہارے سامنے روشن کرتا ہے شاید کہ ان علامتوں سے تمہیں اپنی فلاح کا سیدھا راستہ نظر آ جائے۔[۴]

---

[۱] یعنی مرتے دم تک اللہ کی فرماں برداری اور وفاداری پر قائم رہو۔

[۲] اللہ کی رسی سے مراد اس کا دین ہے، اور اس کو رسّی سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ یہی وہ رشتہ ہے جو ایک طرف اہلِ ایمان کا تعلق اللہ سے قائم کرتا ہے اور دوسری طرف تمام ایمان لانے والوں کو باہم ملا کر ایک جماعت بناتا ہے۔ اس رسّی کو "مضبوط پکڑنے" کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کی نگاہ میں اصل اہمیت "دین" کی ہو، اسی سے ان کو دلچسپی ہو، اسی کی اقامت میں وہ کوشاں رہیں، اور اسی کی خدمت کے لیے آپس میں تعاون کرتے رہیں۔ جہاں دین کی اساسی تعلیمات اور اس کی اقامت کے نصب العین سے مسلمان ہٹے اور اُن کی توجہات اور دلچسپیاں جزئیات و فروع کی طرف منعطف ہوئیں، پھر ان میں لامحالہ وہی تفرقہ و اختلاف رونما ہو جائے گا جو اس سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی امتوں کو ان کے اصل مقصدِ حیات سے منحرف کر کے دنیا اور آخرت کی رسوائیوں میں مبتلا کر چکا ہے۔

[۳] یہ اشارہ ہے اُس حالت کی طرف جس میں اسلام سے پہلے اہلِ عرب مبتلا تھے۔ قبائل کی باہمی عداوتیں، بات بات پر ان کی لڑائیاں اور شب و روز کے کشت و خون جن کی بدولت قریب تھا کہ پوری عرب قوم نیست و نابود ہو جاتی۔ اس آگ میں جل مرنے سے اگر کسی چیز نے انھیں بچایا تو وہ یہی نعمت اسلام تھی۔ یہ آیات جس وقت نازل ہوئی ہیں اس سے تین چار سال پہلے ہی مدینہ کے لوگ مسلمان ہوئے تھے اور اسلام کی یہ جیتی جاگتی نعمت سب دیکھ رہے تھے کہ اُوس اور خزرج کے وہ قبیلے جو سالہا سال سے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، باہم مل کر شیر و شکر ہو چکے تھے اور یہ دونوں قبیلے مکہ سے آنے والے مہاجرین کے ساتھ ایسے بے نظیر ایثار و محبت کا برتاؤ کر رہے تھے جو ایک خاندان کے لوگ بھی آپس میں نہیں کرتے۔ (حاشیہ ۴ اگلے صفحہ پر ہے)

تم میں کچھ لوگ تو ایسے ضرور ہی رہنے چاہییں جو نیکی کی طرف بلائیں، بھلائی کا حکم دیں، اور برائیوں سے روکتے رہیں۔ جو لوگ یہ کام کریں گے وہی فلاح پائیں گے۔ کہیں تم اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو فرقوں میں بٹ گئے اور کھلی کھلی واضح ہدایات پانے کے بعد پھر اختلافات میں مبتلا ہوئے[۱]۔ جنھوں نے یہ روش اختیار کی وہ اس روز سخت سزا پائیں گے جبکہ کچھ لوگ سُرخ رو ہوں گے اور کچھ لوگوں کا منہ کالا ہوگا۔ جن کا منہ کالا ہوگا ان سے کہا جائے گا کہ نعمتِ ایمان پانے کے بعد بھی تم نے کافرانہ رویہ اختیار کیا؟ اچھا تو اب اس کفرانِ نعمت کے صلہ میں عذاب کا مزہ چکھو۔ رہے وہ لوگ جن کے چہرے روشن ہوں گے تو اُن کو اللہ کے دامنِ رحمت میں جگہ ملے گی اور ہمیشہ وہ اسی حالت میں رہیں گے۔ یہ اللہ کے ارشادات ہیں جو ہم تھیں ٹھیک ٹھیک سنا رہے ہیں کیونکہ اللہ دنیا والوں پر ظلم کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا[۲]۔ زمین و آسمان کی ساری چیزوں کا مالک اللہ ہے اور سارے معاملات اللہ ہی کے حضور پیش ہوتے ہیں۔

ع ۱۱

(بقیہ سابق) ۸۵؎ یعنی اگر تم آنکھیں رکھتے ہو تو ان علامتوں کو دیکھ کر خود اندازہ کرسکتے ہو کہ آیا تمھاری فلاح اس دین کو مضبوط تھامنے میں ہے یا اسے چھوڑ کر پھر اُسی حالت کی طرف پلٹ جانے میں جس کے اندر تم پہلے مبتلا تھے، آیا تمھارا اصلی خیر خواہ اللہ اور اس کا رسول ہے یا وہ یہودی اور مشرک اور منافق لوگ جو تم کو حالتِ سابقہ کی طرف پلٹانے جانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

(حواشی صفحہ ہذا) ۱؎ یہ اشارہ ان امتوں کی طرف ہے جنھوں نے خدا کے پیغمبروں سے دینِ حق کی صاف اور سیدھی تعلیمات پائیں مگر کچھ مدت گزر جانے کے بعد اساسِ دین کو چھوڑ کر غیر متعلق ضمنی و فروعی مسائل کی بنیاد پر الگ الگ فرقے بنانے شروع کر دیے اور فضول و لایعنی باتوں پر جھگڑنے میں ایسے مشغول ہوئے کہ نہ انھیں اُس کام کا ہوش رہا جو اللہ نے ان کے سپرد کیا تھا اور نہ عقیدہ و اخلاق کے ان بنیادی اصولوں سے دلچسپی رہی جن پر درحقیقت انسان کی فلاح و سعادت کا مدار ہے۔

۲؎ یعنی چونکہ اللہ دنیا والوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا اس لیے وہ ان کو سیدھا راستہ بھی بتا رہا ہے اور اس بات سے بھی قبل از وقت آگاہ کیے دیتا ہے کہ آخر کار وہ کن امور پر اُن سے باز پرس کرنے والا ہے۔ اس کے بعد بھی جو لوگ کج روی اختیار کریں اور اپنے غلط طرزِ عمل سے باز نہ آئیں وہ اپنے اوپر آپ ظلم کریں گے۔

اب[۱] دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ اہلِ کتاب[۲] ایمان لاتے تو انہی کے حق میں بہتر تھا۔ اگرچہ اِن میں کچھ لوگ ایمان دار بھی پائے جاتے ہیں مگر اِن کے بیشتر افراد نافرمان ہیں۔ یہ تمھارا کچھ بگاڑ نہیں سکتے، زیادہ سے زیادہ بس کچھ ستا سکتے ہیں۔ اگر یہ تم سے لڑیں گے تو مقابلہ میں پیٹھ دکھائیں گے پھر ایسے بے بس ہوں گے کہ کہیں سے اِن کو مدد نہ ملے گی۔ یہ جہاں بھی پائے گئے اِن پر ذلت کی مار ہی پڑی، کہیں اللہ کے ذمہ یا انسانوں کے ذمہ میں پناہ مِل گئی تو یہ اور بات ہے[۳]۔ یہ اللہ کے غضب میں گھر چکے ہیں، اِن پر محتاجی و مغلوبی مسلّط کر دی گئی ہے، اور یہ سب کچھ صرف اس وجہ سے ہوا ہے کہ یہ اللہ کی آیات سے کفر کرتے رہے اور انھوں نے پیغمبروں کو ناحق قتل کیا۔ یہ ان کی نافرمانیوں اور زیادتیوں کا انجام ہے۔

مگر سارے اہلِ کتاب یکساں نہیں ہیں۔ ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو راہِ راست پر قائم

---

[۱] یہ وہی مضمون ہے جو سورہ بقرہ کے سترھویں رکوع میں بیان ہو چکا ہے۔ نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کو بتایا جا رہا ہے کہ دنیا کی امامت و رہنمائی کے جس منصب سے بنی اسرائیل اپنی نااہلی کے باعث معزول کیے جا چکے ہیں اُس پر اب تم مامور کیے گئے ہو، اس لیے کہ اخلاق و اعمال کے لحاظ سے اب تم دنیا میں سب سے بہتر انسانی گروہ بن گئے ہو اور تم میں وہ صفات پیدا ہو گئی ہیں جو امامت عادلہ کے لیے ضروری ہیں، یعنی نیکی کو قائم کرنے اور بدی کو مٹانے کا جذبہ و عمل اور اللہ وحدہ لاشریک کو اعتقاداً و عملاً اپنا الٰہ اور رب تسلیم کرنا۔ لہٰذا اب یہ کام تمھارے سپرد کیا گیا ہے اور تمھیں لازم ہے کہ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھو اور ان غلطیوں سے بچو جو تمھارے پیش رو کر چکے ہیں۔

[۲] اشارہ ہے یہودیوں کی طرف۔

[۳] یعنی دنیا میں اگر کہیں ان کو تھوڑا بہت امن چین نصیب بھی ہوا ہے تو وہ اُن کے اپنے بل بوتے پر قائم کیا ہوا امن و چین نہیں ہے بلکہ دوسروں کے ماتحت ذمّی رعایا ہونے کی حیثیت سے ہے۔ کہیں کسی مسلم حکومت نے ان کو خدا کے نام پر امان دیدی اور کہیں کسی غیر مسلم حکومت نے اپنے طور پر انھیں اپنی حمایت میں لے لیا۔

ہیں، راتوں کو اللہ کی آیات پڑھتے ہیں اور اس کے آگے سجدہ ریز ہوتے ہیں، اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، نیکی کا حکم دیتے ہیں، برائیوں سے روکتے ہیں اور بھلائی کے کاموں میں سرگرم رہتے ہیں۔ یہ صالح لوگ ہیں اور جو نیکی بھی یہ کریں گے اس کی ناقدری نہ کی جائے گی، اللہ پرہیزگار لوگوں کو خوب جانتا ہے۔ رہے وہ لوگ جنھوں نے کفر کا رویہ اختیار کیا تو اللہ کے مقابلہ میں ان کو نہ ان کا مال کچھ کام دے گا نہ اولاد، وہ تو آگ میں جانے والے لوگ ہیں اور آگ ہی میں ہمیشہ رہیں گے۔ جو کچھ وہ اپنی اس دنیا کی زندگی میں خرچ کر رہے ہیں اس کی مثال اُس ہوا کی سی ہے جس میں پالا ہو اور وہ اُن لوگوں کی کھیتی پر چلے جنھوں نے اپنے اوپر آپ ظلم کیا ہے اور اسے برباد کر کے رکھ دے[۱]۔ اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا، درحقیقت یہ خود اپنے اوپر ظلم کر رہے ہیں۔

اے ایمان لانے والو! اپنی جماعت کے لوگوں کے سوا دوسروں کو اپنا رازدار نہ بناؤ۔ وہ

---

[۱] اس مثال میں کھیتی سے مراد یہ کشتِ حیات ہے جس کی فصل آدمی کو آخرت میں کاٹنی ہے، ہوا سے مراد وہ اوپری جذبۂ خیر ہے جس کی بنا پر کفار رفاہِ عام کے کاموں اور خیرات وغیرہ میں دولت صرف کرتے ہیں، اور پالے سے مراد صحیح ایمان اور ضابطۂ خداوندی کی پیروی کا فقدان ہے جس کی وجہ سے ان کی پوری زندگی غلط ہو کر رہ گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس تمثیل سے یہ بتانا چاہتا ہے کہ جس طرح ہوا کھیتیوں کی پرورش کے لیے مفید ہے لیکن اگر اسی ہوا میں پالا ہو تو وہ کھیتی کو پرورش کرنے کے بجائے اسے تباہ کر ڈالتی ہے، اسی طرح خیرات بھی اگرچہ انسان کے مزرعۂ آخرت کو پرورش کرنے والی چیز ہے مگر جب اُسکے اندر کفر کا زہر ملا ہوا ہو تو یہی خیرات مفید ہونے کے بجائے اُلٹی مہلک بن جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ انسان کا مالک اللہ ہے اور اس مال کا مالک بھی اللہ ہی ہے جس میں انسان تصرف کر رہا ہے، اور یہ مملکت بھی اللہ ہی کی ہے جس کے اندر رہ کر انسان کام کر رہا ہے۔ اب اگر اللہ کا یہ غلام اپنے مالک کے اقتدارِ اعلیٰ کو تسلیم نہیں کرتا یا اس کی بندگی کے ساتھ کسی اور کی ناجائز بندگی بھی شریک کرتا ہے، اور اللہ کے مال اور اس کی مملکت میں تصرف کرتے ہوئے اصل مالک کے قانون وضابطہ کی اطاعت نہیں کرتا، تو اس کے یہ تمام تصرفات ازسرتاپا جرم بن جاتے ہیں۔ اجر ملنا کیسا وہ تو اس کا مستحق ہے کہ ان تمام حرکات کے لیے اس پر فوجداری کا مقدمہ قائم کیا جائے۔

تمھاری خرابی کے کسی موقع سے فائدہ اٹھانے میں نہیں چوکتے۔[۱] تمھیں جس چیز سے نقصان پہنچے وہی ان کو محبوب ہے۔ ان کے دل کا بغض اُن کے منہ سے نکلا پڑتا ہے اور جو کچھ وہ اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں وہ اس سے شدید تر ہے۔ ہم نے تمھیں صاف صاف ہدایات دیدی ہیں، اگر تم عقل رکھتے ہو (تو ان سے تعلق رکھنے میں احتیاط برتوگے)۔ تم ان سے محبت رکھتے ہو مگر وہ تم سے محبت نہیں رکھتے حالانکہ تم تمام کتب آسمانی کو مانتے ہو۔[۲] جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے بھی (تمھارے رسول اور تمھاری کتاب کو) مان لیا ہے، مگر جب جدا ہوتے ہیں تو تمھارے خلاف ان کے غیظ و غضب کا

---

[۱] مدینہ کے اطراف میں جو یہودی آباد تھے ان کے ساتھ اوس اور خزرج کے لوگوں کی قدیم زمانہ سے دوستی چلی آتی تھی۔ انفرادی طور پر بھی ان قبیلوں کے افراد اُن کے افراد سے دوستانہ تعلقات رکھتے تھے اور قبائلی حیثیت سے بھی یہ اور وہ ایک دوسرے کے ہمسایہ اور حلیف تھے۔ جب اوس اور خزرج کے قبیلے مسلمان ہوگئے تو اس کے بعد بھی وہ یہودیوں کے ساتھ وہی پُرانے تعلقات نباہتے رہے اور ان کے افراد اپنے سابق یہودی دوستوں سے اسی محبت و خلوص کے ساتھ ملتے رہے۔ لیکن یہودیوں کو نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مشن سے جو عداوت تھی اس کی بنا پر وہ کسی ایسے شخص سے مخلصانہ محبت رکھنے کے لیے تیار نہ تھے جو اس نئی تحریک میں شامل ہوگیا ہو۔ انھوں نے انصار کے ساتھ ظاہر میں تو وہی تعلقات رکھے جو پہلے سے چلے آتے تھے، مگر دل میں وہ اب ان کے سخت دشمن ہوچکے تھے اور اس ظاہری دوستی سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر ہر وقت اس کوشش میں لگے رہتے تھے کہ کسی طرح مسلمانوں کی جماعت میں اندرونی فتنہ و فساد برپا کردیں اور ان کے جماعتی راز معلوم کرکے ان کے دشمنوں تک پہنچائیں۔ اللہ تعالیٰ یہاں اُن کی اسی منافقانہ روش سے مسلمانوں کو محتاط رہنے کی ہدایت فرمارہا ہے۔

[۲] یعنی یہ عجیب ماجرا ہے کہ شکایت بجائے اس کے کہ تمھیں اُن سے ہوتی، اُن کو تم سے ہے۔ تم تو قرآن کے ساتھ توراۃ کو بھی مانتے ہو اس لیے اُن کو تم سے شکایت ہونے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہوسکتی، البتہ شکایت اگر ہوسکتی تھی تو تمھیں اُن سے ہوسکتی تھی کیونکہ وہ قرآن کو نہیں مانتے۔

یہ حال ہوتا ہے کہ اپنی انگلیاں چبانے لگتے ہیں ـــ ان سے کہدو کہ اپنے غصہ میں آپ جل مرو، اللہ دلوں کے چھپے ہوئے راز تک جانتا ہے ـــ تمھارا بھلا ہوتا ہے تو ان کو بُرا معلوم ہوتا ہے اور تم پر کوئی مصیبت آتی ہے تو یہ خوش ہوتے ہیں۔ مگر ان کی کوئی تدبیر تمھارے خلاف کارگر نہیں ہوسکتی بشرطیکہ تم صبر سے کام لو اور اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو۔ جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ اُس پر حاوی ہے۔ ع ۱۲

(اے[۱] پیغمبر! مسلمانوں کے سامنے اُس موقع کا ذکر کرو) جب تم صبح سویرے اپنے گھر سے

---

[۱] یہاں سے چوتھا خطبہ شروع ہوتا ہے۔ یہ جنگِ احد کے بعد نازل ہوا اور اس میں جنگِ احد پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ اوپر کے خطبہ سے اِس خطبہ کا تعلق سمجھنے کے لیے اُس کے آخری فقرے پر پھر ایک نظر ڈال لیجیے۔ اُس میں ارشاد ہوا ہے "مگر ان کی کوئی تدبیر تمھارے خلاف کارگر نہیں ہوسکتی بشرطیکہ تم صبر سے کام لو اور اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو"۔ اب چونکہ اُحد میں مسلمانوں کی شکست کا سبب ہی یہ ہوا کہ ان کے اندر صبر کی بھی کمی تھی اور ان کے افراد سے بعض ایسی غلطیاں بھی سرزد ہوئی تھیں جو خدا ترسی کے خلاف تھیں، اس لیے یہ خطبہ جس میں انھیں اِن کمزوریوں پر تنبیہ کیا گیا ہے مندرجۂ بالا فقرے کے بعد ہی متصلاً درج کیا گیا۔

اس خطبہ کا اندازِ بیان یہ ہے کہ جنگِ اُحد کے سلسلہ میں جتنے اہم واقعات پیش آئے تھے اُن میں سے ایک ایک کو لے کر اس پر چند جچے تلے فقروں میں نہایت سبق آموز تبصرہ کیا گیا ہے۔ اس کو سمجھنے کے لیے اس کے واقعاتی پس منظر کو نگاہ میں رکھنا ضروری ہے۔

شوال ۳ھ کی ابتدا میں کفارِ قریش تقریباً ۳ ہزار کا لشکر لے کر مدینہ پر حملہ آور ہوئے۔ تعداد کی کثرت کے علاوہ ان کے پاس ساز و سامان بھی مسلمانوں کی بہ نسبت بہت زیادہ تھا، اور پھر وہ جنگِ بدر کے انتقام کا شدید جوش بھی رکھتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور تجربہ کار صحابہ کی رائے یہ تھی کہ مدینہ میں محصور ہو کر مدافعت کی جائے۔ مگر چند نوجوانوں نے جو شہادت کے شوق سے بے تاب تھے اور جنھیں بدر کی جنگ میں شریک ہونے کا موقع نہ ملا تھا، باہر نکل کر لڑنے پر اصرار کیا۔ آخر کار ان کے اصرار سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجبور ہو کر باہر نکلنے ہی کا فیصلہ کر لیا۔ ایک ہزار آدمی آپ کے ساتھ نکلے۔ مگر مقامِ شوط پر پہنچ کر عبداللہ ابن اُبَی اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر الگ ہوگیا۔ عین وقت پر اس کی اس حرکت سے مسلمانوں کے لشکر میں اچھا خاصا اضطراب پھیل گیا، حتیٰ کہ بنو سلمہ اور بنو حارثہ کے لوگ تو ایسے دل شکستہ ہوئے کہ

(باقی اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابق)

انھوں نے بھی پلٹ جانے کا ارادہ کر لیا تھا، مگر پھر اولوالعزم صحابہ کی کوششوں سے یہ اضطراب رفع ہوگیا۔ ان باقی ماندہ سات سو آدمیوں کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اور اُحد کی پہاڑی کے دامن میں (مدینہ سے تقریباً چار میل کے فاصلہ پر) اپنی فوج کو اس طرح صف آرا کیا کہ پہاڑ پشت پر تھا اور قریش کا لشکر سامنے۔ پشت کی طرف صرف ایک درّہ ایسا تھا جس سے عقبی حملہ کا خطرہ ہوسکتا تھا۔ وہاں آپ نے عبداللہ بن جبیر کے زیر قیادت پچاس تیر انداز بٹھا دیے اور ان کو تاکید کردی کہ "کسی کو ہمارے قریب نہ پھٹکنے دینا، کسی حال میں یہاں سے نہ ہٹنا، اگر تم دیکھو کہ ہماری بوٹیاں پرندے نوچے لیے جاتے ہیں تب بھی تم اس جگہ سے نہ ٹلنا"۔ اس کے بعد جنگ شروع ہوئی۔ ابتداءً مسلمانوں کا پلّہ بھاری رہا یہاں تک کہ مقابل کی فوج میں ابتری پھیل گئی۔ لیکن اس ابتدائی کامیابی کو کامل فتح کی حد تک پہنچانے کے بجائے مسلمان مالِ غنیمت کی طمع سے مغلوب ہوگئے اور انھوں نے دشمن کے لشکر کو لوٹنا شروع کردیا۔ اُدھر جن تیر اندازوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عقب کی حفاظت کے لیے بٹھایا تھا انھوں نے جو دیکھا کہ دشمن بھاگ نکلا ہے اور غنیمت لُٹ رہی ہے تو وہ بھی اپنی جگہ چھوڑ کر غنیمت کی طرف لپکے۔ حضرت عبداللہ بن جبیر نے ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تاکیدی حکم یاد دلا کر بہتیرا روکا مگر چند آدمیوں کے سوا کوئی نہ ٹھیرا۔ اس موقع سے خالد بن ولید نے جو اس وقت لشکرِ کفار کے رسالہ کی کمان کر رہے تھے بروقت فائدہ اُٹھایا اور پہاڑی کا چکر کاٹ کر عقب کے درہ سے حملہ کردیا۔ عبداللہ بن جبیر نے جن کے ساتھ صرف چند ہی آدمی رہ گئے تھے، اس حملہ کو روکنا چاہا مگر مدافعت نہ کرسکے اور یہ سیلاب یکایک مسلمانوں پر ٹوٹ پڑا۔ دوسری طرف جو دشمن بھاگ گئے تھے وہ بھی پلٹ کر حملہ آور ہوگئے۔ اس طرح لڑائی کا پانسہ ایک دم پلٹ گیا اور مسلمان اس غیر متوقع صورتِ حال سے اس قدر سراسیمہ ہوئے کہ ان کا ایک بڑا حصہ پراگندہ ہوکر بھاگ نکلا۔ تاہم چند بہادر سپاہی ابھی تک میدان میں ڈٹے ہوئے تھے۔ اتنے میں کہیں سے یہ افواہ اُڑ گئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوگئے۔ اس خبر نے صحابہ کے رہے سہے ہوش وحواس بھی گم کردیے اور باقی ماندہ لوگ بھی ہمت ہار کر بیٹھ گئے۔ اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد و پیش صرف دس بارہ جاں نثار رہ گئے تھے اور آپ خود زخمی ہوچکے تھے۔ شکست کی تکمیل میں کوئی کسر باقی نہ رہی تھی لیکن عین وقت پر صحابہ کو معلوم ہوگیا کہ آنحضرت صلعم زندہ ہیں، چنانچہ وہ ہر طرف سے سمٹ کر پھر آپ کے گرد جمع ہوگئے اور آپ کو بسلامت پہاڑی کی طرف لے گئے۔ اس موقع پر یہ ایک معمّا ہے جو حل نہیں ہوسکا کہ وہ کیا چیز تھی جس نے کفارِ مکہ کو خود بخود واپس پھیر دیا۔ مسلمان اس قدر پراگندہ ہوچکے تھے کہ ان کا پھر مجتمع ہوکر باقاعدہ جنگ کرنا مشکل تھا۔ اگر کفار اپنی فتح کو کمال تک پہنچانے پر اصرار کرتے تو ان کی کامیابی بعید نہ تھی۔ مگر نہ معلوم کس طرح وہ آپ ہی آپ میدان چھوڑ کر واپس چلے گئے۔

نکلے تھے اور (اُحد کے میدان میں) مسلمانوں کو جنگ کے لیے جا بجا مامور کر رہے تھے۔ اللہ ساری باتیں سنتا ہے اور وہ نہایت باخبر ہے۔ (وہ اُس وقت بے خبر نہ تھا) جب تم میں سے دو گروہ بزدلی دکھانے پر آمادہ ہو گئے تھے[۵۱] حالانکہ اللہ ان کی مدد پر موجود تھا اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ آخر اس سے پہلے جنگ بدر میں اللہ تمھاری مدد کر چکا تھا حالانکہ اس وقت تم بہت کمزور تھے۔ لہٰذا تم کو چاہیے کہ اللہ کی ناشکری سے بچو، امید ہے کہ اب تم شکرگزار بنو گے۔

(انھیں اس وقت کی بات یاد دلاؤ) جب تم مومنوں سے کہہ رہے تھے "کیا تمھارے لیے یہ بات کافی نہیں کہ اللہ تین ہزار فرشتے اُتار کر تمھاری مدد کرے؟[۵۲]" بے شک، اگر تم صبر کرو اور خدا سے ڈرتے ہوئے کام کرو تو جس آن دشمن تمھارے اوپر چڑھ کر آئیں گے اُسی آن تمھارا رب (تین ہزار نہیں) پانچ ہزار صاحب نشان فرشتوں سے تمھاری مدد کرے گا۔ یہ بات اللہ نے تمھیں اس لیے بتا دی ہے کہ تم خوش ہو جاؤ اور تمھارے دل مطمئن ہو جائیں۔ فتح و نصرت جو کچھ بھی ہے اللہ کی طرف سے ہے جو بڑی قوت والا اور دانا و بینا ہے (اور یہ مدد وہ تمھیں اس لیے دے گا) تاکہ کفر کی راہ چلنے والوں کا ایک بازو کاٹ دے یا ان کو ایسی ذلیل شکست دے کہ وہ نامرادی کے ساتھ پسپا ہو جائیں۔

(اے پیغمبر!) فیصلہ کے اختیارات میں تمھارا کوئی حصہ نہیں، اللہ کو اختیار ہے چاہے انھیں معاف کرے، چاہے سزا دے کیونکہ وہ ظالم ہیں۔ زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے اُس کا مالک اللہ ہے، جس کو چاہے بخش دے اور جس کو چاہے عذاب دے۔ وہ معاف کرنے والا اور

---

[۵۱] یہ اشارہ ہے بنو سلمہ اور بنو حارثہ کی طرف جن کی ہمتیں عبداللہ بن اُبی اور اس کے ساتھیوں کی واپسی کے بعد پست ہو گئی تھیں۔

[۵۲] مسلمانوں نے جب دیکھا کہ ایک طرف دشمن تین ہزار ہیں اور ہمارے ایک ہزار میں سے بھی تین سو الگ ہو گئے ہیں تو ان کے دل ٹوٹنے لگے۔ اُس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے یہ الفاظ کہے تھے۔

۱۳۰

رحیم ہے۔[1]

اے ایمان لانے والو! سود در سود کھانا چھوڑ دو[2] اور اللہ سے ڈرو، امید ہے کہ فلاح پاؤ گے۔ اُس آگ سے بچو جو کافروں کے لیے مہیا کی گئی ہے اور اللہ اور رسول کا حکم مان لو، توقع ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔ دوڑ کر چلو اُس راہ پر جو تمہارے رب کی بخشش اور اُس جنت کی طرف جاتی ہے جس کی وسعت زمین اور آسمانوں جیسی ہے، اور وہ اُن خدا ترس لوگوں کے لیے مہیا کی گئی ہے جو ہر حال میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں خواہ بدحال ہوں یا خوش حال، جو غصّے کو پی جاتے ہیں اور دوسروں کے قصور معاف کر دیتے ہیں ـــ ایسے نیک لوگ اللہ کو بہت پسند ہیں[3] ـــ اور جن کا حال یہ ہے کہ اگر کبھی کوئی فحش کام ان سے سرزد ہو جاتا ہے یا کسی گناہ کا ارتکاب کر کے وہ اپنے اوپر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو معاً اللہ انھیں یاد آجاتا ہے اور اس سے وہ اپنے قصوروں کی معافی چاہتے ہیں ـــ کیونکہ اللہ کے سوا اور کون ہے

---

[1] نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب زخمی ہوئے تو آپ کے منہ سے کفار کے حق میں بددعا نکل گئی اور آپ نے فرمایا کہ "وہ قوم کیسے فلاح پا سکتی ہے جو اپنے نبی کو زخمی کرے"۔ یہ آیات اسی کے جواب میں ارشاد ہوئی ہیں۔

[2] اُحد کی شکست کا بڑا سبب یہ تھا کہ مسلمان عین کامیابی کے موقع پر مال کی طمع سے مغلوب ہو گئے اور اپنے کام کو تکمیل تک پہنچانے کے بجائے غنیمت لوٹنے لگے۔ اس لیے حکیم مطلق نے اس حالت کی اصلاح کے لیے طمع زر کے سرچشمے پر بند باندھنا ضروری سمجھا۔ سود کے ناپسندیدہ ہونے کا اظہار تو ہجرت سے پہلے مکے ہی میں کیا جا چکا تھا (ملاحظہ ہو سورۂ روم، رکوع ۴) اب اس کی قانونی ممانعت کی ابتدا ہوتی ہے اور سب سے پہلے شرح سود پر پابندیاں عائد کی جاتی ہیں۔ عرب میں سود در سود کی دو صورتیں رائج تھیں۔ ایک یہ کہ جب کوئی شخص ایک خاص شرح سود پر کسی سے قرض لیتا اور مدت مقررہ پوری ہونے تک اسے ادا نہ کرتا تو اس کو مزید مہلت دینے کے لیے شرح سود میں اضافہ کر دیا جاتا۔ دوسری یہ کہ ایک مدت تک جب سود ادا نہ ہوتا تو وصول طلب سود کو اصل میں شامل کر کے پھر اس پر سود لگا دیا جاتا۔ اس موقع پر صرف اسی نوعیت کے معاملات کو حرام کیا گیا۔ سود کی کلی ممانعت (جس کا حکم سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے) اس کے چند سال بعد ہوئی جبکہ تقریباً پورا ملک عرب اسلام کے زیرنگیں آ چکا تھا اور ملک کے معاشی نظام کو بالکلیہ بدل دینا ممکن ہو گیا تھا۔

[3] سود خواری جس سوسائٹی میں موجود ہوتی ہے اس کے اندر سود خواری کی وجہ سے (باقی اگلے صفحہ پر)

جو گناہ معاف کرسکتا ہو — اور دیدہ و دانستہ اپنے کئے پر اصرار نہیں کرتے۔[۱] ایسے لوگوں کی جزا ان کے رب کے پاس یہ ہے کہ وہ ان کو معاف کردے گا اور ایسے باغوں میں داخل کریگا جن کے نیچے نہریں بہتی ہونگی اور وہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ کیسا اچھا بدلہ ہے نیک عمل کرنے والوں کے لیے۔

تم سے پہلے بہت سے دور گذر چکے ہیں، زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ ان لوگوں کا کیا انجام ہوا جنھوں نے (اللہ کے احکام و ہدایات کو) جھٹلایا۔[۲] یہ لوگوں کے لیے ایک صاف اور صریح تنبیہ ہے اور جو اللہ سے ڈرتے ہوں ان کیلیے ہدایت اور نصیحت

دل شکستہ نہ ہو، غم نہ کرو، تم ہی غالب ہو گے اگر تم مومن ہو۔ اس وقت اگر تمھیں چوٹ لگی ہے تو اس سے پہلے ایسی ہی چوٹ تمھارے مخالف فریق کو بھی لگ چکی ہے۔[۳] یہ تو زمانہ کے نشیب و فراز ہیں جنھیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں۔ تم پر یہ وقت اس لیے لایا گیا کہ اللہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تم میں سچے مومن کون ہیں، اور ان لوگوں کو چھانٹ لینا چاہتا تھا جو واقعی (راستی کے) گواہ ہوں[۴] — کیونکہ ظالم لوگ اللہ کو پسند نہیں ہیں — اور وہ اس آزمائش کے ذریعہ سے سچے مومنوں کو الگ چھانٹ کر کافروں کی سرکوبی کر دینا چاہتا تھا۔ کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے یہ تو دیکھا ہی نہیں کہ

(بقیہ سابق) دو قسم کے اخلاقی اثرات پیدا ہوتے ہیں۔ سود لینے والوں میں حرص و طمع، بخل اور خود غرضی۔ اور سود دینے والوں میں نفرت، غصہ اور ناراضی۔ اُحد کی شکست میں ان تمام اثرات کا کچھ نہ کچھ حصہ شامل تھا۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو بتاتا ہے کہ سود خواری سے فریقین میں جو اخلاقی اوصاف پیدا ہوتے ہیں ان کے بالکل برعکس انفاق فی سبیل اللہ سے یہ دوسری قسم کے اوصاف پیدا ہوا کرتے ہیں اور اللہ کی بخشش اور اس کی جنت اسی دوسری قسم کے اوصاف سے حاصل ہوسکتی ہے۔

(حواشی صفحہ ہذا) [۱] جو لوگ اب تک سود در سود کا ظالمانہ کاروبار کرتے رہے ہیں ان کو امید دلائی جا رہی ہے کہ اگر تم اب جان لینے کے بعد کہ اللہ کو یہ کاروبار پسند نہیں ہے اس سے باز آجاؤ اور اپنے گناہ پر اصرار نہ کرو تو پہلے جو کچھ کرتے رہے ہو اسے اللہ معاف کر دیگا۔

[۲] یہ تنبیہ ہے اس بات پر کہ اگر اللہ کا حکم سن لینے کے بعد بھی تم وہی کچھ کرتے رہے جو اب تک کرتے رہے ہو تو اُس انجام کے لیے تیار ہو جاؤ جو تم سے پہلے نافرمانوں کا ہو چکا ہے۔

[۳] اشارہ ہے جنگ بدر کی طرف۔ اور کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جب اُس چوٹ کو کھا کر کافر پست ہمت نہ ہوئے تو اس چوٹ پر تم کیوں ہمت ہارو۔

[۴] اصل الفاظ ہیں ویتخذ منکم شھداء۔ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ تم میں سے کچھ شہید لینا چاہتا تھا یعنی کچھ لوگوں کو شہادت کی عزت بخشنا چاہتا تھا۔ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان اور منافقین کے اُس مخلوط گروہ میں سے جس پر تم اس وقت مشتمل ہو، ان لوگوں کو الگ چھانٹ لینا چاہتا تھا جو حقیقت میں شھداء علی الناس ہیں، یعنی اُس منصب جلیل کے اہل ہیں جس پر ہم نے اُمت مسلمہ کو سرفراز کیا ہے۔

تم میں کون وہ لوگ ہیں جو اس کی راہ میں جانیں لڑانے والے اور اس کی خاطر صبر کرنے والے ہیں؟ تم تو موت کی تمنائیں کر رہے تھے! مگر یہ اس وقت کی بات تھی جب موت سامنے نہ آئی تھی، لو اب وہ تمہارے سامنے آگئی اور تم نے اسے آنکھوں دیکھ لیا۔[1] ع

محمد اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول ہیں، اُن سے پہلے اور رسول بھی گزر چکے ہیں، پھر کیا اگر وہ مر جائیں یا قتل کر دیے جائیں تو تم لوگ الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟[2] یاد رکھو! جو الٹا پھرے گا وہ اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا، البتہ جو اللہ کے شکر گزار بندے بن کر رہیں گے انھیں وہ اس کی جزا دے گا۔ کوئی ذی روح اللہ کے اِذن کے بغیر نہیں مر سکتا، موت کا وقت تو لکھا ہوا ہے۔[3] جو شخص ثواب دنیا کے ارادہ سے کام کرے گا اس کو ہم دنیا ہی میں سے دیں گے اور جو ثواب آخرت[4] کے ارادہ سے کام

---

[1] اشارہ ہے شہادت کے اُن تمناؤں کی طرف جن کے اصرار سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے باہر نکل کر لڑنے کا فیصلہ فرمایا تھا۔

[2] جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر مشہور ہوئی تو اکثر صحابہ کی ہمتیں چھوٹ گئیں۔ اس حالت میں منافقین نے (جو مسلمانوں کے ساتھ ہی لگے ہوئے تھے) کہنا شروع کیا کہ چلو عبداللہ بن اُبی کے پاس چلیں تاکہ وہ ہمارے لیے ابو سفیان سے امان لے دے۔ اور بعض نے یہاں تک کہہ ڈالا کہ اگر محمد خدا کے رسول ہوتے تو قتل کیسے ہوتے، چلو اب دین آبائی کی طرف لوٹ چلیں۔ انہی باتوں کے جواب میں ارشاد ہو رہا ہے کہ اگر تمہاری "حق پرستی" محض محمد کی شخصیت سے وابستہ ہے اور تمہارا اسلام ایسا سست بنیاد ہے کہ محمد کے دنیا سے رخصت ہوتے ہی تم اسی کفر کی طرف پلٹ جاؤ گے جس سے نکل کر آئے تھے تو اللہ کے دین کو تمہاری ضرورت نہیں ہے۔

[3] اس سے یہ بات مسلمانوں کے ذہن نشین کرنا مقصود ہے کہ موت کے خوف سے تمہارا بھاگنا فضول ہے۔ کوئی شخص نہ تو اللہ کے مقرر کیے ہوئے وقت سے پہلے مر سکتا ہے اور نہ اس کے بعد جی سکتا ہے۔ لہٰذا تم کو فکر موت سے بچنے کی نہیں بلکہ اس بات کی کرنی چاہیے کہ زندگی کی جو مہلت بھی تمہیں حاصل ہے اس میں تمہاری سعی و جہد کا مقصود کیا ہے، دنیا یا آخرت؟

[4] ثواب کے معنی ہیں نتیجۂ عمل۔ ثوابِ دنیا سے مراد وہ فوائد و منافع ہیں جو انسان کو اس کی سعی و عمل کے نتیجہ میں اسی دنیا کی زندگی میں حاصل ہوں۔ اور ثوابِ آخرت سے مراد وہ فوائد و منافع ہیں جو اسی سعی و عمل کے نتیجہ میں (باقی اگلے صفحہ)

کرے گا وہ آخرت کا ثواب پائے گا اور شکر کرنے[۱۰۵] والوں کو ہم ان کی جزا ضرور عطا کریں گے۔ اس سے پہلے کتنے ہی نبی ایسے گزر چکے ہیں جن کے ساتھ مل کر بہت سے خدا پرستوں نے جنگ کی۔ اللہ کی راہ میں جو مصیبتیں اُن پر پڑیں ان سے وہ دل شکستہ نہیں ہوئے، انھوں نے کمزوری نہیں دکھائی، وہ (باطل کے آگے) سرنگوں نہیں ہوئے[۱۰۶]۔ ایسے ہی صابروں کو اللہ پسند کرتا ہے۔ ان کی دعا بس یہ تھی کہ مالک! ہماری غلطیوں اور کوتاہیوں سے درگذر فرما، ہمارے کام میں تیرے حدود سے جو کچھ تجاوز ہو گیا ہو اُسے

(بقیہ سابق) آخرت کی پائیدار زندگی میں حاصل ہوں گے۔ اسلام کے نقطۂ نظر سے انسانی اخلاق کے معاملہ میں فیصلہ کُن سوال یہی ہے کہ کارزارِ حیات میں آدمی جو دوڑ دھوپ کر رہا ہے اس میں آیا وہ دنیوی نتائج پر نگاہ رکھتا ہے یا اُخروی نتائج پر۔

(حواشی صفحہ ہذا) ۱۰۵؎ "شکر کرنے والوں" سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ کی اِس نعمت کے قدر شناس ہوں کہ اُس نے دین کی صحیح تعلیم دے کر انھیں دنیا اور اس کی محدود زندگی سے بہت زیادہ وسیع، ایک ناپیدا کنار عالم کی خبر دی اور انھیں اس حقیقت سے آگاہی بخشی کہ انسانی سعی و عمل کے نتائج صرف اِس دنیا کی چند سالہ زندگی تک محدود نہیں ہیں بلکہ اِس زندگی کے بعد ایک دوسرے عالم تک ان کا سلسلہ دراز ہوتا ہے۔ یہ وسعتِ نظر اور یہ دور بینی و عاقبت اندیشی حاصل ہو جانے کے بعد جو شخص اپنی کوششوں اور محنتوں کو اس دنیوی زندگی کے ابتدائی مرحلہ میں بارآور ہوتے نہ دیکھے، یا ان کا برعکس نتیجہ نکلتا دیکھے اور اس کے باوجود اللہ کے بھروسہ پر وہ کام کرتا چلا جائے جس کے متعلق اللہ نے اسے یقین دلایا ہے کہ بہرحال آخرت میں اس کا نتیجہ اچھا ہی نکلے گا، وہ شکر گزار بندہ ہے۔ برعکس اس کے جو لوگ اِس کے بعد بھی دنیا پرستی کی تنگ نظری میں مبتلا رہیں جن کا حال یہ ہو کہ دنیا میں جن غلط کوششوں کے بظاہر اچھے نتائج نکلتے نظر آئیں ان کی طرف وہ آخرت کے بُرے نتائج کی پروا کیے بغیر جُھک پڑیں اور جن صحیح کوششوں کے یہاں بارآور ہونے کی امید نہ ہو یا جن سے یہاں نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو اُن میں آخرت کے نتائج خیر کی امید پر اپنا وقت، اپنے مال اور اپنی قوتیں صرف کرنے کے لیے تیار نہ ہوں، وہ ناشکرے ہیں اور اُس علم کے ناقدر شناس ہیں جو اللہ نے انھیں بخشا ہے۔

۱۰۶؎ یعنی اپنی قلّت تعداد اور بے سروسامانی، اور کفار کی کثرت اور زور آوری دیکھ کر انھوں نے باطل پرستوں کے آگے سپر نہیں ڈالی۔

معاف کر دے، ہمارے قدم جما دے اور کافروں کے مقابلہ میں ہماری مدد کر"۔ آخر کار اللہ نے ان کو
دنیا کا ثواب بھی دیا اور اس سے بہتر ثوابِ آخرت بھی عطا کیا۔ اللہ کو ایسے ہی نیک عمل لوگ پسند ہیں۔ ع
اے ایمان لانے والو! اگر تم اُن لوگوں کے اشاروں پر چلو گے جنھوں نے کفر کی راہ اختیار
کی ہے تو وہ تم کو اُلٹا پھیر لے جائیں گے[۱] اور تم نامراد ہو جاؤ گے۔ (ان کی باتیں غلط ہیں) حقیقت یہ
ہے کہ اللہ تمھارا حامی و مددگار ہے اور وہ بہترین مدد کرنے والا ہے۔ عنقریب وہ وقت آنے والا ہے
جب ہم منکرینِ حق کے دلوں میں رعب بٹھا دیں گے، اس لیے کہ انھوں نے اللہ کے ساتھ اُن کو خدائی
میں شریک ٹھیرایا ہے جن کے شریک ہونے پر اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی۔ اُن کا آخری ٹھکانا جہنم
ہے اور کیسی بُری قیام گاہ ہے جو ان ظالموں کو نصیب ہو گی۔

اللہ نے (تائید و نصرت کا) جو وعدہ تم سے کیا تھا وہ تو اس نے پُورا کر دیا۔ ابتدا میں اس کے حکم
سے تم ہی ان کو قتل کر رہے تھے۔ مگر جب تم نے کمزوری دکھائی اور اپنے کام میں باہم اختلاف کیا، اور جونہی کہ
وہ چیز اللہ نے تمھیں دکھائی جس کی محبت میں تم گرفتار تھے (یعنی مالِ غنیمت) تم اپنے سردار کے حکم کی
خلاف ورزی کر بیٹھے ـــــ اس لیے کہ تم میں سے کچھ لوگ دنیا کے طالب تھے اور کچھ آخرت کی خواہش
رکھتے تھے ـــــ تب اللہ نے تمھیں کافروں کے مقابلہ میں پسپا کر دیا تاکہ تمھاری آزمائش کرے۔ اور حق
یہ ہے کہ اللہ نے پھر بھی تمھیں معاف ہی کر دیا[۲] کیونکہ مومنوں پر اللہ بڑی نظرِ عنایت رکھتا ہے (ذرا یاد

---

[۱] یعنی جس کفر کی حالت سے تم نکل کر آئے ہو اسی میں یہ تمھیں پھر واپس لے جائیں گے۔ منافقین اور یہودی اُحد کی شکست کے بعد مسلمانوں میں یہ خیال پھیلانے کی کوشش کر رہے تھے کہ محمدؐ اگر واقعی نبی ہوتے تو شکست کیوں کھاتے۔ یہ تو ایک عمولی آدمی ہیں۔ ان کا معاملہ بھی دوسرے آدمیوں کی طرح ہے۔ آج فتح ہے تو کل شکست۔ خدا کی جس حمایت و نصرت کا انھوں نے تم کو یقین دلا رکھا ہے وہ محض ایک ڈھونگ ہے۔

[۲] یعنی تم نے غلطی تو ایسی کی تھی کہ اگر اللہ تمھیں معاف نہ کر دیتا تو اس وقت تمھارا استیصال ہو جاتا۔ یہ اللہ کا فضل تھا اور اس کی تائید و حمایت تھی جس کی بدولت تمھارے دشمن تم پر قابو پا لینے کے بعد ہوش گم کر بیٹھے اور بلا وجہ خود پسپا ہو کر چلے گئے۔

کرو وہ وقت) جب تم بھاگے چلے جا رہے تھے، کسی کی طرف پلٹ کر دیکھنے تک کا ہوش تمھیں نہ تھا اور رسول تمھارے پیچھے تم کو پکار رہا تھا[1]۔ اس وقت تمھاری اس روش کا بدلہ اللہ نے تمھیں یہ دیا کہ تم کو رنج پر رنج دیئے[2] تاکہ آئندہ کے لیے تمھیں سبق ملے اور جو کچھ تمھارے ہاتھ سے جائے یا جو مصیبت تم پر نازل ہو اُس پر ملول نہ ہو۔ اللہ تمھارے سب اعمال سے باخبر ہے۔

اس غم کے بعد پھر اللہ نے تم میں سے کچھ لوگوں پر ایسی اطمینان کی سی حالت طاری کر دی کہ وہ اُونگھنے لگے[3]۔ مگر ایک دوسرا گروہ جس کے لیے ساری اہمیت بس اپنے مفاد ہی کی تھی، اللہ کے متعلق طرح طرح کے جاہلانہ گمان کرنے لگا جو سراسر خلافِ حق تھے۔ یہ لوگ اب کہتے ہیں کہ "اس کام کے چلانے میں ہمارا بھی کوئی حصہ ہے؟" ان سے کہو "(کسی کا کوئی حصہ نہیں) اس کام کے سارے اختیارات اللہ کے ہاتھ میں ہیں"۔ دراصل یہ لوگ اپنے دلوں میں جو بات چھپائے ہوئے ہیں اُسے تم پر ظاہر نہیں کرتے۔ ان کا اصل مطلب یہ ہے کہ "اگر (قیادت کے) اختیارات میں ہمارا کچھ حصہ ہوتا تو یہاں ہم نہ مارے جاتے"۔ ان سے کہدو کہ "اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن لوگوں کی موت لکھی ہوئی تھی وہ خود اپنی قتل گاہوں کی طرف نکل آتے"

[1] جب مسلمانوں پر عقب سے اور سامنے سے بیک وقت حملہ ہوا اور ان کی صفوں میں ابتری پھیل گئی تو کچھ لوگ مدینہ کی طرف بھاگ نکلے اور کچھ اُحد پر چڑھ گئے مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک انچ اپنی جگہ سے نہ ہٹے۔ دشمنوں کا چاروں طرف ہجوم تھا، دس بارہ آدمیوں کی مٹھی بھر جماعت پاس رہ گئی تھی، مگر اللہ کا رسول اس نازک موقع پر بھی پہاڑ کی طرح اپنی جگہ جما ہوا تھا اور بھاگنے والوں کو پکار رہا تھا الیّ عباد اللہ، الیّ عباد اللہ، اللہ کے بندو میری طرف آؤ، اللہ کے بندو میری طرف آؤ۔

[2] رنج ہزیمت کا، رنج اس خبر کا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے، رنج اپنے کثیر التعداد مقتولوں اور مجروحوں کا، رنج اس بات کا کہ اب گھروں کی بھی خیر نہیں، تین ہزار دشمن، جن کی تعداد مدینہ کی مجموعی آبادی سے بھی زیادہ ہے شکست خوردہ فوج کو روندتے ہوئے قصبہ میں آگھسیں گے اور سب کو تباہ کر دیں گے۔

[3] یہ ایک عجیب تجربہ تھا جو اُس وقت لشکرِ اسلام کے بعض لوگوں کو پیش آیا۔ حضرت ابو طلحہ جو اس جنگ میں شریک تھے خود بیان کرتے ہیں کہ اس حالت میں ہم پر اُونگھ کا ایسا غلبہ ہو رہا تھا کہ تلواریں ہاتھ سے چھوٹی پڑتی تھیں۔

اور یہ معاملہ جو پیش آیا، یہ تو اس لیے تھا کہ جو کچھ تمھارے سینوں میں پوشیدہ ہے اللہ اُسے آزمالے
اور جو کھوٹ تمھارے دلوں میں ہے اُسے چھانٹ دے، اللہ دلوں کا حال خوب جانتا ہے۔
تم میں سے جو لوگ مقابلہ کے دن پیٹھ پھیر گئے تھے ان کی اس لغزش کا سبب یہ تھا کہ اُن کی
بعض کمزوریوں کی وجہ سے شیطان نے اُن کے قدم ڈگمگا دیے تھے۔ اللہ نے انھیں معاف کر دیا،
اللہ بہت درگذر کرنے والا اور بُردبار ہے۔ ع ۱۶
اے ایمان لانے والو! کافروں کی سی باتیں نہ کرو جن کے عزیز اقارب اگر کبھی سفر پر جاتے ہیں یا
جنگ میں شریک ہوتے ہیں (اور وہاں کسی حادثہ سے دوچار ہو جاتے ہیں) تو وہ کہتے ہیں کہ اگر وہ ہمارے
پاس ہوتے تو نہ مارے جاتے اور نہ قتل ہوتے۔ اللہ اس قسم کی باتوں کو ان کے دلوں میں حسرت و اندوہ کا
سبب بنا دیتا ہے[1]، ورنہ دراصل مارنے اور جِلانے والا تو اللہ ہی ہے اور تمھاری تمام حرکات پر وہی نگراں
ہے۔ اگر تم اللہ کی راہ میں مارے جاؤ یا مر جاؤ تو اللہ کی جو رحمت اور بخشش تمھارے حصہ میں آئے گی وہ
اُن ساری چیزوں سے زیادہ بہتر ہے جنھیں یہ لوگ جمع کرتے ہیں۔ اور خواہ تم مرو یا مارے جاؤ بہرحال
تم سب کو سمٹ کر جانا اللہ ہی کی طرف ہے۔
(اے پیغمبر!) یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لیے بہت نرم مزاج واقع ہوئے ہو۔
ورنہ اگر کہیں تم تند خُو اور سنگدل ہوتے تو یہ سب تمھارے گرد و پیش سے چھٹ جاتے۔ ان کے قصور
معاف کر دو، ان کے حق میں دعائے مغفرت کرو اور دین کے کام میں ان کو بھی شریک مشورہ رکھو،
البتہ جب تمھارا عزم کسی رائے پر مستحکم ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ کرو، اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اُسی کے بھروسہ

[1] یعنی یہ باتیں حقیقت پر مبنی نہیں ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ قضاء الٰہی کسی کے ٹالے ٹل نہیں سکتی، مگر جو لوگ اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور سب کچھ اپنی تدبیروں ہی پر موقوف سمجھتے ہیں ان کے لیے اس قسم کے قیاسات بس داغ حسرت بن کر رہ جاتے ہیں اور وہ ہاتھ ملتے رہ جاتے ہیں کہ کاش یوں ہوتا تو یہ ہو جاتا۔

پر کام کرتے ہیں۔ اللہ تمھاری مدد پر ہو تو کوئی طاقت تم پر غالب آنے والی نہیں اور وہ تمھیں چھوڑ دے تو اس کے بعد کون ہے جو تمھاری مدد کر سکتا ہو پس جو سچے مومن ہیں ان کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ کسی نبی کا یہ کام نہیں ہو سکتا کہ وہ خیانت کر جائے[له] اور جو کوئی خیانت کرے تو وہ اپنی خیانت سمیت قیامت کے روز حاضر ہو جائے گا، پھر ہر متنفس کو اس کی کمائی کا پورا پورا بدلہ مل جائے گا اور کسی پر کچھ ظلم نہ ہوگا۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جو شخص ہمیشہ اللہ کی رضا پر چلنے والا ہو وہ اس شخص کے سے کام کرے جو اللہ کے غضب میں گھر گیا ہو اور جس کا آخری ٹھکانا وہ بدترین ٹھکانا ہو جسے جہنم کہتے ہیں؟ اللہ کے نزدیک دونوں قسم کے آدمیوں میں بدرجہا فرق ہے اور اللہ سب کے اعمال پر نظر رکھتا ہے۔ درحقیقت اہل ایمان پر تو اللہ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے کہ اُن کے درمیان خود انھی میں سے ایک ایسا پیغمبر اٹھایا جو اُس کی آیات انھیں سناتا ہے، اُن کی زندگیوں کو سنوارتا ہے اور اُن کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے یہی لوگ صریح گمراہیوں میں پڑے ہوئے تھے۔

اور یہ تمھارا کیا حال ہے کہ جب تم پر مصیبت آپڑی تو تم کہنے لگے یہ کہاں سے آئی؟[ے] حالانکہ (جنگ

له جن تیر اندازوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عقب کی حفاظت کے لیے بٹھایا تھا انھوں نے جب دیکھا کہ دشمن کا لشکر لٹ رہا ہے تو اُن کو اندیشہ ہوا کہ کہیں ساری غنیمت انھی لوگوں کو نہ مل جائے جو اسے لوٹ رہے ہیں اور ہم تقسیم کے موقع پر محروم نہ رکھے جائیں۔ اسی بنا پر انھوں نے اپنی جگہ چھوڑ دی تھی۔ جنگ ختم ہونے کے بعد جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ واپس تشریف لائے تو آپ نے اُن لوگوں کو بلا کر اس نافرمانی کی وجہ دریافت کی۔ انھوں نے جواب میں کچھ عذرات پیش کیے جو نہایت کمزور تھے۔ اس پر حضور نے فرمایا بل ظننتم انا نغل ولا نقسم لکم۔ "اصل بات یہ ہے کہ تم کو ہم پر اطمینان نہ تھا، تم نے یہ گمان کیا کہ ہم تمھارے ساتھ خیانت کریں گے اور تم کو حصہ نہیں دیں گے۔" اس آیت کا اشارہ اسی معاملہ کی طرف ہے۔ ارشادِ الٰہی کا مطلب یہ ہے کہ جب تمھاری فوج کا کمانڈر خود اللہ کا نبی تھا اور سارے معاملات اس کے ہاتھ میں تھے تو تمھارے دل میں یہ اندیشہ پیدا کیسے ہوا کہ نبی کے ہاتھ میں تمھارا مفاد محفوظ نہ ہوگا۔ کیا خدا کے پیغمبر سے یہ توقع رکھتے ہو کہ جو مال اس کی نگرانی میں ہو وہ دیانت، امانت اور انصاف کے سوا کسی اور طریقہ سے بھی تقسیم ہو سکتا ہے؟ (باقی اگلے صفحہ پر)

بدر میں) اس سے دوگنی مصیبت تمہارے ہاتھوں (فریقِ مخالف پر) پڑ چکی ہے[۱۱۵]۔ اے نبی! ان سے کہو، یہ مصیبت تمہاری اپنی لائی ہوئی ہے[۱۱۶]، اللہ ہر چیز پر قادر ہے[۱۱۷]، جو نقصان لڑائی کے دن تمہیں پہنچا وہ اللہ کے اذن سے تھا اور اس لیے تھا کہ اللہ دیکھ لے تم میں سے مومن کون ہیں اور منافق کون۔ وہ منافق کہ جب ان سے کہا گیا آؤ اللہ کی راہ میں جنگ کرو یا کم از کم (اپنے شہر کی) مدافعت ہی کرو، تو کہنے لگے اگر ہمیں علم ہوتا کہ آج جنگ ہوگی تو ہم ضرور تمہارے ساتھ چلتے[۱۱۸]۔ یہ بات جب وہ کہہ رہے تھے اُس وقت وہ ایمان کی بہ نسبت کفر سے زیادہ قریب تھے۔ وہ اپنی زبانوں سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتیں، اور جو کچھ وہ دلوں میں چھپاتے ہیں اللہ اسے خوب جانتا ہے۔ یہ وہی لوگ ہیں جو خود تو بیٹھے رہے اور اِن کے جو بھائی بند لڑنے گئے اور مارے گئے ان کے متعلق انھوں نے کہہ دیا کہ اگر وہ ہماری بات مان لیتے

(بقیہ سابق) ۱۱۴ اکابر صحابہ تو خیر حقیقت شناس تھے اور کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوسکتے تھے، مگر عام مسلمان یہ سمجھ رہے تھے کہ جب اللہ کا رسول ہمارے درمیان موجود ہے اور اللہ کی تائید و نصرت ہمارے ساتھ ہے تو کسی حال میں کفار ہم پر فتح پا ہی نہیں سکتے۔ اس لیے جب اُحد میں ان کو شکست ہوئی تو ان کی توقعات کو سخت صدمہ پہنچا اور انھوں نے حیران ہوکر پوچھنا شروع کیا کہ یہ کیا ہوا؟ اللہ کے دین کی خاطر ہم لڑیں، اللہ کا وعدۂ نصرت ہمارے ساتھ ہو، اللہ کا رسول خود میدانِ جنگ میں موجود ہو اور پھر بھی ہم شکست کھائیں؟ اور شکست بھی اُن سے جو اللہ کے دین کو مٹانے آئے ہوں؟ یہ آیات اسی حیرانی کو دور کرنے کیلیے ارشاد ہوئی ہیں۔

(حواشی صفحہ ہٰذا) ۱۱۵ جنگِ اُحد میں مسلمانوں کے ۷۰ آدمی شہید ہوئے۔ بخلاف اس کے جنگِ بدر میں کفار کے ۷۰ آدمی مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے تھے اور ۷۰ آدمی گرفتار ہوکر آئے تھے۔

۱۱۶ یعنی یہ تمہاری اپنی کمزوریوں اور غلطیوں کا نتیجہ ہے۔ تم نے صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑا، بعض کام تقویٰ کے خلاف کیے، حکم کی خلاف ورزی کی، مال کی طمع میں مبتلا ہوئے، آپس میں نزاع و اختلاف کیا، پھر کیوں پوچھتے ہو کہ یہ مصیبت کہاں سے آئی؟

۱۱۷ یعنی اللہ اگر تمھیں فتح دینے کی قدرت رکھتا ہے تو شکست دلوانے کی قدرت بھی رکھتا ہے۔

۱۱۸ عبداللہ بن اُبی جب تین سو منافقوں کو اپنے ساتھ لے کر راستہ سے پلٹنے لگا تو بعض مسلمانوں نے جا کر اُسے سمجھانے کی کوشش کی اور ساتھ چلنے کے لیے راضی کرنا چاہا۔ مگر اس نے جواب دیا کہ ہمیں یقین ہے کہ (باقی اگلے صفحہ پر)

تو نہ مارے جاتے۔ ان سے کہو اگر تم اپنے اس قول میں سچے ہو تو خود تمھاری موت جب آئے اُسے ٹال کر دکھا دینا۔

جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں انھیں مردہ نہ سمجھو، وہ تو حقیقت میں زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس رزق پا رہے ہیں، جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے انھیں دیا ہے اس پر خوش و خرم ہیں[۱] اور مطمئن ہیں کہ جو اہلِ ایمان ان کے پیچھے دنیا میں رہ گئے ہیں اور ابھی وہاں نہیں پہنچے ہیں اُن کے لیے بھی کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں ہے۔ وہ اللہ کے انعام اور اس کے فضل پر شاداں و فرحاں ہیں اور ان کو معلوم ہو چکا ہے کہ اللہ مومنوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ ع ۱۷

جن لوگوں نے زخم کھانے کے بعد بھی اللہ اور رسول کی پکار پر لبیک کہا اُن میں جو اشخاص نیکو کار اور پرہیز گار ہیں ان کے لیے بڑا اجر ہے[۲]۔ اور وہ جن[۳] سے لوگوں نے کہا کہ تمھارے خلاف بڑی فوجیں جمع ہوئی ہیں، ان سے ڈرو، تو یہ سن کر ان کا ایمان اور بڑھ گیا اور انھوں نے جواب دیا کہ ہمارے لیے

(بقیہ سابق) آج جنگ نہیں ہوگی، اس لیے ہم جا رہے ہیں، ورنہ اگر ہمیں توقع ہوتی کہ آج جنگ ہوگی تو ہم ضرور تمھارے ساتھ چلتے۔

(حواشی صفحہ ہٰذا) [۱] مسند احمد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث مروی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ جو شخص نیک عمل لیکر دنیا سے جاتا ہے اسے اللہ کے ہاں اس قدر پُر لطف اور پُر کیف زندگی میسر آتی ہے جس کے بعد وہ کبھی دنیا میں واپس آنے کی تمنا نہیں کرتا، مگر شہید اس سے مستثنیٰ ہے۔ وہ تمنا کرتا ہے کہ پھر دنیا میں بھیجا جائے اور پھر اُس لذت، اُس سرور اور اُس نشے سے بہرہ یاب ہو جو راہِ خدا میں جان دینے سے حاصل ہوتا ہے۔

[۲] جنگِ اُحد سے پلٹ کر جب مشرکین کئی منزل دور چلے گئے تو انھیں ہوش آیا اور انھوں نے آپس میں کہا یہ ہم نے کیا حرکت کی کہ محمدؐ کی طاقت کو توڑ دینے کا جو بیش قیمت موقع ملا تھا اُسے کھو کر چلے آئے۔ چنانچہ ایک جگہ ٹھیر کر انھوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ مدینہ پر فوراً ہی دوسرا حملہ کر دیا جائے۔ لیکن پھر ہمت نہ پڑی اور مکہ واپس چلے گئے۔ ادھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ گمان تھا کہ یہ لوگ شاید پھر نہ پلٹ آئیں۔ اس لیے جنگِ اُحد کے دوسرے ہی دن آپ نے

(باقی اگلے صفحہ پر)

اللہ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔ آخر کار وہ اللہ کی عنایت سے اِس طرح پلٹ آئے کہ ان کو کسی قسم کا ضرر بھی نہ پہنچا اور اللہ کی رضا پر چلنے کا شرف بھی انھیں حاصل ہو گیا، اللہ بڑا فضل فرمانے والا ہے۔ اب تمھیں معلوم ہو گیا کہ وہ دراصل شیطان تھا جو اپنے دوستوں کو خواہ مخواہ ڈرا رہا تھا۔ لہٰذا آئندہ تم انسانوں سے نہ ڈرنا، مجھ سے ڈرنا اگر تم حقیقت میں صاحبِ ایمان ہو۔

(اے پیغمبر!) جو لوگ آج کفر کی راہ میں بڑی دوڑ دھوپ کر رہے ہیں ان کی سرگرمیاں تمھیں آزردہ نہ کریں، یہ اللہ کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گے۔ اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہ رکھے،

(بقیہ سابق) مسلمانوں کو جمع کر کے فرمایا کہ کفار کے تعاقب میں چلنا چاہیے۔ یہ اگرچہ نہایت نازک موقع تھا مگر پھر بھی جو سچے مومن تھے وہ جان نثار کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حمراء الاسد تک گئے جو مدینہ سے ۸ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اس آیت کا اشارہ انھی فدا کاروں کی طرف ہے۔

۱۲۳ یہ چند آیات جنگِ احد کے ایک سال بعد نازل ہوئی تھیں مگر چونکہ ان کا تعلق اُحد ہی کے سلسلۂ واقعات سے تھا اس لیے ان کو بھی اس خطبہ میں شامل کر دیا گیا۔ اُحد سے پلٹتے ہوئے ابوسفیان چیلنج دے گیا تھا کہ آئندہ سال بدر میں ہمارا تمھارا پھر مقابلہ ہو گا مگر جب مقابلہ کا وقت قریب آیا تو اس کی ہمت نے جواب دے دیا کیونکہ اُس سال مکہ میں قحط تھا۔ لہٰذا اس نے پہلو بچانے کے لیے یہ تدبیر کی کہ خفیہ طور پر ایک شخص کو بھیجا جس نے مدینہ پہنچ کر مسلمانوں میں یہ خبریں مشہور کرنی شروع کیں کہ اب کے سال قریش نے بڑی زبردست تیاری کی ہے اور ایسا بھاری لشکر جمع کر رہے ہیں جس کا مقابلہ تمام عرب میں کوئی نہ کر سکے گا۔ اس سے مقصد یہ تھا کہ مسلمان خوف زدہ ہو کر اپنی جگہ رہ جائیں اور مقابلہ پر نہ آنے کی ذمہ داری انھی پر رہے۔ ابوسفیان کی اس چال کا یہ اثر ہوا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کی طرف چلنے کے لیے مسلمانوں سے اپیل کی تو اس کا کوئی ہمت افزا جواب نہ ملا۔ آخر کار اللہ کے رسول نے بھرے مجمع میں اعلان کر دیا کہ اگر کوئی نہ جائے گا تو میں اکیلا جاؤں گا۔ اس پر ۱۵۰۰ فدا کار آپ کے ساتھ چلنے کے لیے کھڑے ہو گئے اور آپ انھی کو لے کر بدر تشریف لے گئے۔ اُدھر سے ابوسفیان دو ہزار کی جمعیت لے کر چلا مگر دو روز کی مسافت تک جا کر اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اس سال لڑنا مناسب نہیں معلوم ہوتا، آئندہ سال آئیں گے چنانچہ وہ اور اس کے ساتھی واپس ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۸ روز تک بدر کے مقام پر اس کے انتظار میں مقیم رہے اور اس دوران میں آپ کے ساتھیوں نے ایک تجارتی قافلہ سے (باقی اگلے صفحہ پر)

اور بالآخران کو سخت سزا ملنے والی ہے۔ جو لوگ ایمان کو چھوڑ کر کفر کے خریدار بنے ہیں وہ یقیناً اللہ کا کوئی نقصان نہیں کر رہے ہیں (آپ اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں) اور ان کے لیے دردناک عذاب تیار ہے۔ یہ ڈھیل جو ہم انہیں دیے جاتے ہیں اس کو یہ کافر اپنے حق میں بہتری نہ سمجھیں، ہم تو انہیں اس لیے ڈھیل دے رہے ہیں کہ یہ خوب بارِ گناہ سمیٹ لیں، پھر ان کے لیے سخت ذلیل کرنے والی سزا ہے۔

اللہ مومنوں کو اس حالت میں ہرگز نہ رہنے دیگا جس میں تم اِس وقت پائے جاتے ہو[1]۔ وہ پاک لوگوں کو ناپاک لوگوں سے الگ کر کے رہے گا۔ مگر اللہ کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ تم کو غیب پر مطلع کر دے[2]۔ غیب کی باتیں بتانے کے لیے تو وہ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے، لہٰذا (امورِ غیب کے بارے میں) اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھو۔ اگر تم ایمان اور خدا ترسی کی روش پر چلو گے تو تم کو بڑا اجر ملے گا۔

جن لوگوں کو اللہ نے اپنے فضل سے نوازا ہے اور پھر وہ بخل سے کام لیتے ہیں وہ اس خیال میں نہ رہیں کہ یہ بخیلی ان کے لیے اچھی ہے۔ نہیں، یہ ان کے حق میں نہایت بُری ہے۔ جو کچھ وہ اپنی کنجوسی سے جمع کر رہے ہیں وہی قیامت کے روز ان کے گلے کا طوق بن جائے گا۔ زمین اور آسمانوں کی میراث اللہ ہی کے لیے ہے[3] اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔ ع۱۸

(بقیہ سابق) کاروبار کر کے خوب مالی فائدہ اٹھایا۔ پھر جب یہ خبر معلوم ہو گئی کہ کفار واپس چلے گئے تو آپ مدینہ واپس تشریف لے آئے۔

(حواشی صفحہ ہٰذا) ۱؎ یعنی اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی جماعت کو اس حال میں دیکھنا پسند نہیں کرتا کہ ان کے درمیان سچے اہلِ ایمان اور منافق سب خلط ملط ہیں۔

۲؎ یعنی مومن و منافق کی تمیز نمایاں کرنے کے لیے اللہ یہ طریقہ اختیار نہیں کرتا کہ غیب سے تم کو دلوں کا حال بتا دے کہ فلاں مومن ہے اور فلاں منافق، بلکہ اس کے حکم سے ایسے امتحان کے مواقع پیش آئیں گے جن میں تجربہ سے مومن اور منافق کا حال کھل جائیگا۔

۳؎ یعنی زمین و آسمان کی جو چیز بھی کوئی مخلوق استعمال کر رہی ہے وہ دراصل اللہ کی مِلک ہے (باقی اگلے صفحہ پر)

اللہ نے اُن لوگوں کا قول سُنا جو کہتے ہیں کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں[۱]۔ ان کی یہ باتیں بھی ہم لکھ لیں گے اور اس سے پہلے جو وہ پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے رہے ہیں وہ بھی ان کے نامۂ اعمال میں ثبت ہے (جب فیصلہ کا وقت آئے گا اُس وقت) ہم ان سے کہیں گے کہ لو اب عذابِ جہنم کا مزا چکھو، یہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے، اللہ اپنے بندوں کے لیے ظالم نہیں ہے۔

جو لوگ کہتے ہیں "اللہ نے ہم کو ہدایت کر دی ہے کہ ہم کسی کو رسول تسلیم نہ کریں جب تک وہ ہمارے سامنے ایسی قربانی نہ کرے جسے (غیب سے آکر) آگ کھائے[۲]" اُن سے کہو تمہارے پاس مجھ سے پہلے بہت سے رسول آچکے ہیں جو بہت سی روشن نشانیاں لائے تھے اور وہ نشانی بھی لائے تھے جس کا تم ذکر کرتے ہو، پھر اگر (ایمان لانے کے لیے یہ شرط پیش کرنے میں) تم سچے ہو تو اُن کو تم نے کیوں قتل کیا؟ اب اگر یہ لوگ تمہیں جھٹلاتے ہیں تو بہت سے رسول تم سے پہلے جھٹلائے جا چکے ہیں جو کھُلی کھُلی نشانیاں اور صحیفے اور روشنی بخشنے والی کتابیں لائے تھے۔ آخر کار ہر شخص کو مرنا ہے اور تم سب اپنے اپنے پورے اجر قیامت کے روز پانے والے ہو، لہٰذا اصلی کامیابی اس کی ہے جو وہاں آتش دوزخ سے بچ جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے، رہی یہ دنیا تو یہ محض ایک ظاہر فریب چیز ہے[۳]۔

(بقیہ سابق) اور اس پر مخلوق کا قبضہ و تصرف عارضی ہے۔ ہر ایک کو اپنے مقبوضات سے بہر حال بے دخل ہونا ہے اور آخر کار سب کچھ اللہ ہی کے پاس رہ جانے والا ہے۔ لہٰذا عقلمند ہے وہ جو اس عارضی قبضہ کے دوران میں اللہ کے مال کو اللہ کی راہ میں دل کھول کر صرف کرتا ہے اور سخت بے وقوف ہے وہ جو اسے بچا بچا کر رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔

(حواشی صفحہ ہٰذا) [۱] یہ یہودیوں کا قول ہے۔ قرآن مجید کی آیت مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا (کون ہے جو اللہ کو اچھا قرض دے) پر طعن کرتے ہوئے وہ اس قسم کی باتیں کہا کرتے تھے۔

[۲] یعنی وہ ہمارے سامنے کسی جانور کو قربان کرے اور ہماری آنکھوں دیکھتے ایک آگ غیب سے نمودار ہو کر اسے بھسم کر ڈالے جس سے ثابت ہو کہ واقعی یہ شخص خدا کی طرف سے آیا ہے۔

[۳] یعنی اس دنیا کی زندگی میں جو نتائج رونما ہوتے ہیں انھی کو اگر کوئی شخص اصلی اور آخری نتائج (باقی اگلے صفحہ پر)

مسلمانو! تمھیں مال اور جان دونوں کی آزمائشیں پیش آکر رہیں گی، اور تم اہلِ کتاب اور مشرکین سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سنوگے، اگر ان سب حالات میں تم صبر اور خدا ترسی کی روش پر قائم رہو[1] تو یہ بڑے حوصلہ کا کام ہے۔ ان اہلِ کتاب کو وہ عہد بھی یاد دلاؤ جو اللہ نے ان سے لیا تھا کہ تمھیں کتاب کی تعلیمات کو لوگوں میں پھیلانا ہوگا، انھیں پوشیدہ رکھنا نہیں ہوگا۔[2] مگر انھوں نے کتاب کو پس پشت ڈال دیا اور تھوڑی قیمت پر اُسے بیچ ڈالا۔ کتنا بُرا کاروبار ہے جو یہ کر رہے ہیں۔ تم اُن لوگوں کو عذاب سے محفوظ نہ سمجھو جو اپنے کرتوتوں پر خوش ہیں اور چاہتے ہیں کہ ایسے کاموں کی تعریف انھیں حاصل ہو جو فی الواقع انھوں نے نہیں کیے ہیں۔[3] حقیقت میں ان کے لیے دردناک سزا تیار ہے۔ زمین اور آسمان کا مالک اللہ ہے اور اس کی قدرت سب پر حاوی ہے۔ ع ۱۹

[4] زمین اور آسمانوں کی پیدائش میں اور رات اور دن کے باری باری سے آنے میں اُن ہوشمند لوگوں کے لیے بہت نشانیاں ہیں جو اُٹھتے، بیٹھتے اور لیٹتے، ہر حال میں خدا کو یاد کرتے ہیں اور آسمان و زمین کی

(بقیہ صفحہ سابق) سمجھ بیٹھے اور انھیں حق و باطل اور فلاح و خسران کا معیار قرار دے لے تو درحقیقت وہ سخت دھوکہ میں مبتلا ہو جائے گا۔ یہاں کسی پر نعمتوں کی بارش ہونا اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ وہی حق پر بھی ہے اور اسی کو اللہ کی بارگاہ میں قبولیت بھی حاصل ہے۔ اور اسی طرح یہاں کسی کا مصائب و مشکلات میں مبتلا ہونا بھی لازمی طور پر یہ معنی نہیں رکھتا کہ وہ باطل پر ہے اور مردودِ بارگاہِ الٰہی ہے۔ اکثر اوقات اس ابتدائی مرحلہ کے نتائج اُن آخری نتائج کے برعکس ہوتے ہیں جو حیاتِ ابدی کے مرحلہ میں پیش آنے والے ہیں اور اصل اعتبار اُنہی نتائج کا ہے۔

(حواشی صفحہ ہذا) [1] یعنی ان کے طعن و تشنیع، ان کے الزامات، ان کے بیہودہ طرزِ کلام اور ان کی جھوٹی نشر و اشاعت کے مقابلہ میں بے صبر ہو کر تم ایسی باتوں پر نہ اُتر آؤ جو صداقت و انصاف، وقار و تہذیب اور اخلاقِ فاضلہ کے خلاف ہوں۔

[2] یعنی انھیں یہ تو یاد رہ گیا کہ بعض پیغمبروں کو آگ میں جلنے والی قربانی بطور نشان کے دی گئی تھی، مگر یہ یاد نہ رہا کہ اللہ نے اپنی کتاب ان کے سپرد کرتے وقت ان سے کیا عہد لیا تھا اور کس خدمتِ عظمیٰ کی ذمہ داری ان پر ڈالی تھی۔

[3] مثلاً کہا جائے کہ حضرت بڑے متقی ہیں، دیندار اور پارسا ہیں، خادمِ دین ہیں، حامیِ شرعِ متین ہیں، مُصلح و

(باقی اگلے صفحہ پر)

ساخت میں غور و فکر کرتے ہیں[۱]۔ (وہ بے اختیار بول اٹھتے ہیں) "پروردگار! یہ سب کچھ تو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا ہے، تو پاک ہے اس سے کہ عبث کام کرے۔ پس اے رب! ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے کہ جس کو تو نے دوزخ میں ڈالا اسے درحقیقت بڑی ذلت و رسوائی میں ڈال دیا اور پھر ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا[۲]۔ مالک! ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا جو ایمان کی طرف بلاتا تھا اور کہتا تھا کہ اپنے رب کو مانو۔ ہم نے اس کی دعوت قبول کر لی[۳]۔ پس اے ہمارے آقا! جو قصور ہم سے ہوئے ہیں ان سے درگذر فرما، جو برائیاں ہم میں ہیں انھیں دور کر دے اور ہمارا خاتمہ نیک لوگوں کے ساتھ کر۔ خداوندا! جو وعدے تو نے اپنے رسولوں کے ذریعہ سے کیے ہیں ان کو ہمارے ساتھ پورا کر اور قیامت کے دن ہمیں رسوائی میں نہ ڈال، بے شک تو اپنے وعدے کے خلاف کرنے والا نہیں ہے[۴]۔" (جن لوگوں نے یہ دعا کی) ان کو ان کے رب کی طرف سے جواب ملا کہ "میں تم میں سے کسی کا عمل ضائع کرنے والا نہیں ہوں، خواہ مرد ہو یا عورت، تم سب ایک دوسرے کے ہم جنس ہو[۵]۔ لہٰذا جن لوگوں نے میری خاطر اپنے گھر بار چھوڑے اور جو میری راہ میں اپنے گھروں سے نکالے اور ستائے گئے اور جو میرے لیے لڑے

(بقیہ سابق) مزکی ہیں، حالانکہ حضرت کچھ بھی نہیں۔

[۶] یہ خاتمۂ کلام ہے۔ اس کا ربط اوپر کی قریبی آیات میں نہیں بلکہ پوری سورۃ میں تلاش کرنا چاہیے۔ اس کو سمجھنے کے لیے خصوصیت کے ساتھ سورۃ کی تمہید کو نظر میں رکھنا ضروری ہے۔

(حواشی صفحہ ہذا) [۱] یعنی ان نشانیوں سے ہر شخص بآسانی حقیقت تک پہنچ سکتا ہے بشرطیکہ وہ خدا سے غافل نہ ہو، اور آثارِ کائنات کو جانوروں کی طرح نہ دیکھے بلکہ غور و فکر کے ساتھ مشاہدہ کرے۔

[۲] یعنی جب وہ نظامِ کائنات کا بغور مشاہدہ کرتے ہیں تو یہ حقیقت ان پر کھل جاتی ہے کہ یہ سراسر ایک حکیمانہ نظام ہے، اور یہ بات سراسر حکمت کے خلاف ہے کہ جس مخلوق میں اللہ نے اخلاقی حس پیدا کی ہو، جسے تصرف کے اختیارات دیے ہوں، جسے عقل و تمیز عطا کی ہو، اس سے اس کی حیاتِ دنیا کے اعمال پر باز پرس نہ ہو، اور اسے نیکی پر جزا اور بدی پر سزا نہ دی جائے۔ اس طرح انھیں آخرت کا یقین حاصل ہو جاتا ہے اور وہ خدا کی سزا سے پناہ مانگنے لگتے ہیں۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

اور مارے گئے ان کے سب قصور معاف کر دوں گا اور انھیں ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ یہ ان کی جزا ہے اللہ کے ہاں اور بہترین جزا اللہ ہی کے پاس ہے ۵

دنیا کے ملکوں میں خدا کے نافرمان لوگوں کی چلت پھرت دیکھ کر دھوکا نہ کھاؤ۔ یہ محض چند روزہ زندگی کا تھوڑا سا لطف ہے، پھر یہ سب جہنم میں جائیں گے جو بدترین جائے قرار ہے۔ برعکس اس کے جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہوئے زندگی بسر کرتے ہیں ان کے لیے ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان باغوں میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ کی طرف سے یہ سامانِ ضیافت ہے ان کے لیے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے نیک لوگوں کے لیے وہی سب سے بہتر ہے۔ اہلِ کتاب میں بھی کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کو مانتے ہیں، اس ہدایت پر ایمان لاتے ہیں جو تمھاری طرف بھیجی گئی ہے اور اس ہدایت پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو اس سے پہلے خود ان کی طرف بھیجی گئی تھی، اللہ کے آگے جھکے ہوئے ہیں، اور اللہ کی آیات کو تھوڑی سی قیمت پر بیچ نہیں دیتے۔ ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور اللہ حساب چکانے میں دیر نہیں لگاتا۔

اے ایمان لانے والو! صبر سے کام لو، باطل کے مقابلہ میں قدم مضبوط رکھو اور حق کی خدمت کے لیے کمربستہ رہو، امید ہے کہ فلاح پاؤ گے۔ ع ۲۰

(بقیہ سابق) [illegible] اسی طرح یہی مشاہدہ اُن کو اس بات پر بھی مطمئن کر دیتا ہے کہ پیغمبر اس کائنات اور اس کے آغاز و انجام کے متعلق جو نقطۂ نظر پیش کرتے ہیں اور زندگی کا جو راستہ بتاتے ہیں وہ سراسر حق ہے۔

[illegible] یعنی انھیں اس امر میں تو شک نہیں ہے کہ اللہ اپنے وعدوں کو پورا کریگا یا نہیں، البتہ تردد اس امر میں ہے کہ آیا ان وعدوں کے مصداق ہم بھی قرار پاتے ہیں یا نہیں، اس لیے وہ اللہ سے دعا مانگتے ہیں کہ ان وعدوں کا مصداق ہمیں بنا دے اور ہمارے ساتھ انہیں پورا کر، کہیں ایسا نہ ہو کہ دنیا میں تو ہم پیغمبروں پر ایمان لا کر کفار کی تضحیک اور طعن و تشنیع کے ہدف بنے ہی ہیں، قیامت میں بھی ان کافروں کے سامنے ہماری رسوائی ہو۔

[illegible] یعنی تم سب انسان ہو اور میری نگاہ میں یکساں ہو میرے ہاں یہ دستور نہیں ہے کہ عورت و مرد، آقا و غلام، کالے اور گورے، اونچ اور نیچ کے لیے انصاف کے اصول اور فیصلے کے معیار الگ الگ ہوں۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) ۱ روایت ہے کہ بعض غیر مسلم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ موسیٰ عصا اور ید بیضا لائے تھے، عیسیٰ اندھوں کو بینا اور کوڑھیوں کو اچھا کرتے تھے، دوسرے پیغمبر بھی کچھ نہ کچھ معجزے لائے تھے، آپ فرمائیں کہ آپ کیا لائے ہیں؟ اس پر آپ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں اور ان سے کہا کہ میں یہ لایا ہوں۔